Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:3 (1975)

# حج ۰ عالمگیریّتِ اسلام کا مظہر

غلام احمد پرویز

اس زمین پر جب سے انسانی شعور نے آنکھ کھولی ہے وہ ایک اہم سوال کے حل میں غلطاں و پیچاں نظر آرہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانوں نے باہم مل جل کر رہنا ہے اور جب وہ مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے مفاد ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس تصادم اور ٹکراؤ سے فساد کی چنگاریاں اُٹھتی ہیں جو ان کے خرمنِ امن و سلامتی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنادیتی ہیں۔ وہ سوال، جس نے انسان کو ہمیشہ مضطرب و بے قرار رکھا ہے، یہ ہے کہ کون سی شکل پیدا کی جائے کہ اس دنیا میں انسان امن و سلامتی سے رہ سکے۔ انسانیت کی تاریخ اسی سوال کے حل کی مسلسل داستان ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ انسان نے اس باب میں کیا کیا سوچا اور تجربہ نے اُسے کس طرح غلط ثابت کر دیا۔ قرآنِ کریم نے انسان کی اس کوشش اور کوشش کے مآل کو ایک چھوٹی سی مثال میں اس طرح واضح کر دیا ہے کہ نگہِ بصیرت جوں جوں اس پہ غور کرتی ہے وجد و کیف سے جھوم اُٹھتی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا (16/92) "دیکھنا! کہیں تمہاری مثال اس عورت کی سی نہ ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سُوت کاتا اور پھر خود اپنے ہی ہاتھوں سے) کاتا کو تا کپاس کر ڈالا"۔ قرآنِ کریم کی اس چھوٹی سی مثال کو سامنے رکھئے اور پھر تاریخ کے اوراق پر غور کر کے دیکھئے کہ عبرت و موعظت کی کتنی داستانیں ہیں جو اس کے اندر لپٹی ہوئی ہیں اور انسانی نامرادیوں اور ناکامیوں کے کتنے حوادث ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں۔ ہر دَور کے انسان کی جدوجہد کی تاریخ پر غور کیجئے۔ انسان اپنے لئے ایک عظیم الشان نظامِ تمدن تعمیر کرتا ہے۔ اس فلک بوس عمارت کی تکمیل کے لئے قسم قسم کے نوادرات جمع کرتا ہے۔ وہ عمارت اس کے حسین تصوّرات کا مرکز اور اس کی شاداب

آرزوؤں کا محور بنتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کی تکمیل میں انسانیت کی تکمیل کا راز مضمر ہے۔ وہ ایک عرصہ تک اپنے تصوّرات کی دنیا میں محو رہتا ہے۔ لیکن ابھی وہ عمارت تکمیل تک بھی پہنچنے نہیں پاتی کہ دنیا اس عبرت انگیز تماشا کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور وہی انسان اس عمارت کو خود اپنے ہاتھوں سے زمین پر گرا دیتا ہے اور اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کا وہ حسین مرقع خاک کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں رہتا جس میں پوشیدہ ٹھیکریاں اپنے مٹے ہوئے نقوش سے بعد میں آنے والوں کو اپنی حدیثِ الم سے آگاہ کرنے کے لئے باقی رہ جاتی ہیں۔ بابل اور نینوا مصر اور یونان، چین اور ایران کے کھنڈرات کو چشمِ عبرت سے دیکھئے اور سوچئے کہ انسانوں نے اتنی محنت سے کاتے ہوئے سوت کو کس طرح بار بار خود اپنے ہاتھوں سے کپاس کر کے رکھ دیا ہے۔

ادوارِ سابقہ کی طرح عصرِ حاضر کے انسان نے بھی اس سوال کے حل میں دماغ سوزی کی اور اس کی فکر و کاوش کا نتیجہ نیشنلزم (وطن کی بنیادوں پر قومیت کی تشکیل) کی صورت میں دُنیا کے سامنے آیا۔ جس پر اقوامِ مغرب اور ان کی دیکھا دیکھی دیگر اقوامِ عالم کی موجودہ سیاست کی بنیاد ہے۔ یورپ نے اس نسخۂ کیمیا کو اس قدر کامیاب قرار دیا کہ ان کے آئینۂ فکر میں حب الوطنی کو شرفِ انسانیت کی انتہا تصوّر کر لیا گیا۔ لیکن جنگِ اوّل نے بالعموم اور اس کے بعد جنگِ دوم کے اسباب و علل اور نتائج و عواقب نے بالخصوص اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا کہ جسے تریاق سمجھا جاتا ہے وہ انسانیت کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ چنانچہ اب دانایانِ مغرب اپنے کاتے ہوئے سوت کو خود اپنے ہاتھوں سے کپاس کرنے کی فکر میں ہیں (مثلاً) لنڈن یونیورسٹی کا پروفیسر ایلفرڈ کوبن اپنی کتاب (THE CRISES OF CIVILISATION) میں لکھتا ہے کہ:

قومیت پرستی کا احساس نفرت سے پیدا ہوتا ہے اور عداوت پر پرورش پاتا ہے۔ ایک قوم کو اپنی ہستی کا احساس ہی اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی دوسری قوم سے متصادم ہو۔ پھر ان قوموں کا جذبۂ عداوت و پیکار اپنی قومی وحدت کی تکمیل پر ہی ختم نہیں ہو جاتا۔ جونہی کوئی قوم اپنے حق استقلال و خود مختاری کو مسلّم کر لیتی ہے تو ان اقوام کو دبانا شروع کر دیتی ہے جو اپنے لئے خود مختاری کی مدعی ہوں۔ ان وجوہ کی بنا پر لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ کسی نظامِ حکومت کے لئے نیشنلزم کی بنیاد بڑی خطرناک ہے۔

اسی طرح آلڈوس ہکسلے کہتا ہے:

نیشنلزم جسے ہم نے ایک بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ سے ساری دنیا قریب پچاس ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکی ہے جنہیں اقوامِ عالم کہا جاتا ہے۔ یہ ان میں سے ہر قوم کا مملکتی مذہب ہے۔ یعنی خدا کی بجائے قوم کی پرستش، جسے اعلیٰ اقدار کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ان پچاس دیوتاؤں میں سے ہر دیوتا کا پجاری باقی انچاس پجاریوں کو ملیچھ تصور کرتا ہے۔ نیشنلزم اخلاق کی تباہی کا باعث اس طرح بنتا ہے کہ اس کی رو سے عالمگیر انسانیت خدائے واحد اور احترامِ آدمیت کے تمام عقائد باطل قرار پا جاتے ہیں اور ان کی بجائے علیحدگی، انانیت، خود اکتفائیت کے عقائد پیدا ہو جاتے ہیں جن کا نتیجہ نفرت اور جنگ کا جواز ہی نہیں اس کا وجوب ہوتا ہے۔ یاد رکھئے کہ نیشنلزم ایک بُت پرستانہ مذہب ہے۔
(SCIENCE, LIBERTY AND PEACE)

اب وہاں کے مفکرین اس کا حل کیا سوچ رہے ہیں اسے بھی غور سے سنئے۔ کیتھولک چرچ کا اسقف (TEILARD-DE-CHARDIN) لکھتا ہے:

اب اقوام کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اگر ہم نے ہلاکت سے بچنا ہے تو کرنے کا کام صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے قدیم تعصبات کو ختم کر دیں اور مختلف ملکوں اور خطوں کی حدود سے آگے بڑھ کر خود کرۂ ارض کی تعمیرِ نو کا انتظام کریں۔ انسان کو اس کی موجودہ پستی سے نکال کر بلندیوں کی طرف لے جانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے دعوتِ انسانیت کا راستہ۔ اب شعورِ انسانی کے لئے ضروری ہے کہ وہ خاندان، وطن اور نسل کی تنگنایوں سے آگے بڑھ کر پوری نوعِ انسانی کو اپنے آغوش میں لے لے۔ (BUILDING OF THE EARTH)

یہ ہے وہ حل جس تک ذہنِ انسانی، اپنے لاتعداد ناکام تجارب کے بعد بیسویں صدی میں پہنچ سکا ہے لیکن آج سے چودہ سو سال پیشتر جبکہ دنیا کی یہ حالت تھی کہ ایک گاؤں کے رہنے والے دوسرے گاؤں کے باشندوں سے بھی بمشکل واقف ہو سکتے تھے۔ قرآنِ کریم نے یہ اعلان کیا کہ وَ مَا كَانَ النَّاسُ إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (۱۹/۱۰) ابتدا میں تمام انسان ایک ہی اُمّت کے افراد تھے۔ اس کے بعد انہوں نے باہمی اختلافات شروع کر دیئے اور خاندانوں، قبیلوں، گروہوں، وطنوں اور قوموں میں بٹ گئے فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ

وَمُنْذِرِیْنَ (۲ : ۲۱۳) خدا نے اپنے انبیاء کو بھیجا تاکہ وہ انہیں آگاہ کریں کہ ان کے اختلافات کا نتیجہ کس قدر تباہ کن ہوگا اور امّتِ واحدہ بن کر رہنے کا حال کس قدر خوشگوار۔ اس کے لئے اُس نے عملی شکل یہ بتائی کہ تمام نوعِ انسان ایک ضابطۂ حیات کے تابع زندگی بسر کرے جو انسانوں کا وضع کردہ نہ ہو بلکہ خود خُدا کا عطا فرمودہ ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی اِنسان کسی دوسرے اِنسان پر حکومت نہیں کر سکے گا۔ تمام اِنسان قوانینِ خداوندی کے تابع رہیں گے۔ یہ تعلیم اپنی آخری، مکمّل اور غیر متبدل شکل میں قرآنِ کریم کی وساطت سے اِنسانوں تک پہنچی جس کا مقصود تمام نوعِ انسان کو ایک برادری تصور کر کے جمعیتِ اقوام کی بجائے جمعیتِ آدم متشکل کرنا ہے۔ اگرچہ اسلام کے مختلف احکام و فرائض اسی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں لیکن اس کی تکمیل حج کے اجتماع میں ہوتی ہے جسے دین کا آخری رکن کہا جاتا ہے۔

اِجتماعی نقطۂ نظر سے حج سے مفہوم یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان، بلا تفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ وطن و زبان، جو قرآنِ کریم کی صداقت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی ختمیت پر ایمان رکھتے ہوں (یعنی امتِ محمدیہ کے افراد) اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیرِ قیادت مرکزِ وحدتِ انسانیت یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندوں کا باہمی تعارف ہو (اسے میدانِ عرفات کہا ہی اسی جہت سے جاتا ہے) پھر یہ تمام امرائے ملت اپنے میں سے ایک امیر الامراء کا انتخاب کریں اور مختلف ممالک کے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتب کریں جسے اصولی طور پر آئندہ سال کے لئے بطورِ مشترکہ منشور کے اختیار کیا جائے اور جو امن و سلامتی، انسانیت کا ضامن اور فلاح و سعادتِ آدمیت کا کفیل ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام اپنے خطبۂ حج میں اس پروگرام کا اعلان کر دے جو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندے منیٰ کے مقام پر جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ مختلف ممالک پر اس کا عملی اثر کیا پڑے گا۔ وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی۔ اس کے بعد یہ نمائندے اپنے اپنے ملکوں میں واپس آجائیں اور اُس طے شدہ

پروگرام کے مطابق اپنے لوگوں کو چلائیں۔ یہ ہے وہ عملی طریق جو قرآن کریم نے تمام نوعِ انسان کو امّتِ واحدہ بنانے اور ان کے تمدنی مسائل کو حل کرنے کے لئے بتایا ہے۔ قرآن کریم نے حج کے اس مقصد اور غایت کو دو مقامات پر دو دو تین تین الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ آپ ان مختصر ٹکڑوں کی جامعیت پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ کسی اجتماع کی غایت اس سے بلند تر اور کوئی اندازِ بیان اس سے زیادہ بلیغ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ حج کے اجتماع سے مقصود یہ ہے کہ یہ اعلانِ عام کر دیا جائے (وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ) کہ وہ آئیں لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (۲۲/۲۸) اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان کی منفعت کے لئے کیا کچھ کیا جا رہا ہے۔ یہ ہے اس اجتماع کا مقصد اور اس کی غایت ہے قِیٰمًا لِّلنَّاسِ (۵/۹۷) یعنی اس سے انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑی ہونے کے قابل ہو جائے اور اپنا توازن برقرار رکھ سکے۔

غور کیجئے کیا دنیا میں کسی کانفرنس، کسی اسمبلی، کسی پارلیمان، کسی اجتماع کا مقصد اس سے بلند بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اجتماع دنیا میں شرفِ انسانیت کے قیام کا باعث ہو ——— کسی خاص قوم، خاص جماعت، خاص ملک، خاص ملت کے قیام کا باعث نہیں بلکہ تمام نوعِ انسان کے قیام کا باعث۔

کہا جا سکتا ہے کہ آج اقوامِ متحدہ کی مجلس (یو۔این۔او) کے اجتماعات میں تمام دنیا کی قوموں کے نمائندے جمع ہوتے ہیں اور ان کے سامنے بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ دنیا میں امن و سلامتی رہے۔ پھر یہ اجتماعات اپنے مقصدِ پیشِ نظر میں کیوں کامیاب نہیں ہوتے اور حج کے اجتماع میں وہ کونسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر وہ ایسے بلند اور درخشندہ مقصد کے حصول کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حج کے اجتماع میں فی الواقع ایک خصوصیت ہے اور وہ خصوصیت ہے ایک بندۂ مومن کے اُس عہد و پیمان کی جو وہ اپنے خدا سے باندھتا ہے اور جس کی تجدید حج کا نقطۂ آغاز ہے۔ ایک عبدِ مسلم اپنے خدا سے اقرار کرتا ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ لَا شَرِیْکَ لَهٗ (۶/۱۶۳) میری صلوٰۃ اور میرے مناسک، میرا جینا اور میرا مرنا، سب اللہ کے لئے ہے۔ یہی میری زندگی کی غرض و غایت ہے اور میں اس میں کسی اور غرض اور مقصد کو شریک نہیں کرتا۔ یہ ہے وہ خصوصیت جو دنیا میں کسی اور اجتماع کو

حاصل نہیں ہوتی۔ فلہٰذا وہ اجتماعات بلند آہنگ دعوؤں کے باوجود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے نہ آج تک کچھ کر سکے ہیں نہ آئندہ کچھ کر سکیں گے۔

آپ اس حج پر نگاہ رکھئے اور پھر اس حج کو دیکھئے جو اب چند رسوم کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن ان اجتماعات میں آج بھی وہی رُوح پیدا کی جاسکتی ہے۔ آج عالمِ اسلامی چاروں طرف سے مصائب و نوازل سے گھرا ہوا ہے۔ غیر خدائی قوتیں اس کے خلاف متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ دنیا کے نقشے پر کہیں اس کا نشان نہ رہنے پائے۔ مسلم اقوام کے نمائندے مختلف مقامات پر کانفرنسیں منعقد کر رہے ہیں کہ باہمی اتحاد سے ان مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں اخوت اور ارتباط کی تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ باہمی میل ملاپ کے سلیقے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن کسی کی نگاہ اس طرف نہیں اُٹھتی کہ جو طریقِ ربط و اخوت ہمارے خدا نے ہمارے لئے تجویز اور متعین کیا تھا، جس سے ہمارے دلوں میں یک جہتی اور نگاہوں میں یک رنگی پیدا ہوتی تھی اُسے پھر سے زندہ کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم دیگر اقوامِ عالم کی تقلید میں کانفرنسیں طلب اور اجتماعات منعقد کرتے رہیں گے ہماری کامیابیاں انہی کے پیمانوں سے ناپی جائیں گی لیکن جس وقت ہم نے اپنے خدا سے فراموش کردہ عہد پھر استوار کر لیا اور پھر اس مرکز کو زندہ کر لیا جس کی زندگی سے تمام نوعِ انسان کی زندگی وابستہ ہے۔ اقوامِ عالم کی امامت ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ ہماری زندگی کے چشمے عرفات کے جبلِ رحمت سے پھوٹیں گے اور اسی سے ہماری کشتِ حیات سرسبز و شاداب ہو گی۔ آج مسلمانانِ عالم کو حج کا فریضہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے؛

ایک ہوں مُسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر